باب دوئم

﴿معلم کے آداب کے بیان میں﴾

اس میں تین فصلیں ہیں:

(۱) معلم کوخود کن آداب سے مزین ہونا چاہیۓ؟

(۲) معلم کواپنے درس میں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیۓ؟

(۳) اپنے طالب علموں کے ساتھ کن آداب کی رعایت ملحوظ رکھے؟

فصل اول

﴿معلم کوخود کن آداب سے مزین ہونا چاہیۓ؟﴾

اس میں بارہ انواع ہیں:

(۱) ہر حال میں خوفِ خدا، وقار، سکون اور تواضع کی صفت پر قائم رہے

معلم کو چاہیۓ کہ وہ تمام حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں خوفِ خدا کی صفت کے ساتھ موصوف رہے، کیوں کہ وہ ان علوم وفہوم اور حواس کا امین ہے جو اس میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال: ۲۶)

"تم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی امانتوں میں خلل مت ڈالو حالاں کہ تم جانتے ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ (المائدہ: ۴۴)

''بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے سو تم بھی لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم وہ نہیں جو محفوظ کر لیا گیا ہو بلکہ علم وہ ہے جو دوسروں کو نفع دے''۔ اور وقار، سکون، تواضع اور عاجزی بھی اسی قبیل سے ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے رشیدؒ کو یہ لکھا کہ ''جب تم علم کو سیکھو تو اس کے وقار، سکون اور حلم اور بردباری کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سیکھو، اور اس کے لئے وقار وسکون کو سیکھو۔''

ایک بزرگ کا قول ہے کہ عالم پر یہ امر لازم ہے کہ وہ ظاہری اور پوشیدہ طور پر اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اور اپنے نفس سے احتیاط کرے اور مشکل مسئلہ میں توقف اختیار کرے۔''

(۲) علم کے تقدس کا خیال رکھے

نیز معلم کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ وہ علمائے اسلاف کی طرح علم کے وقار اور اس کے تقدس کا ہمہ وقت خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عزت ومقام عطا کیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھے، لہٰذا اس کو چاہئے کہ بلاضرورت نااہل کو علم کے زیور سے آراستہ نہ کرے خواہ وہ کتنا ہی بلند شان اور عظیم المرتبت ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ "یہ علم کی توہین ہے کہ عالم اس کو لے کر متعلم کے دروازے پر جائے۔"

اسلاف سے اس مضمون کی روایات بہ کثرت ثابت ہیں۔ ابوشجاع الجرجانیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ولم ابتذل فی خدمة العلم لاخدم من لاقیتُ لکن لاخدما
أأشقی به غرساً وأجنیه ذلة اذًا فاتّباع الجهل قدکان أحزما
ولو أنّ اهل العلم صانوه صانهم ولو عظّموه فی النفوس لعظّما

لیکن اگر نااہل کو تعلیم دینے کی کوئی حاجت یا ضرورت پیش آجائے یا دینی مصلحت اس کی متقاضی ہو جو مصلحت فساد کے پہلو پر راجح ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ

بعض اسلاف کا بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس خود چل کر جانا اور ان کو علمی فوائد سے مستفید کرنا اسی قبیل سے تھا۔ جیسے امام زہریؒ اور امام شافعیؒ جایا کرتے تھے، ان حضرات کی اس سے دنیاوی اغراض ہرگز مقصود نہ تھی۔ اسی طرح اگر دوسرا شخص علم وزہد میں بلندرتبہ ہو تو افادہ کی غرض سے اس کے پاس جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے امام سفیان الثوریؒ، ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس خود جاتے تھے اور ان کو اپنے علم سے مستفید کرتے تھے۔ اور ابوعبیدؒ، علی بن المدینیؒ کے پاس جاکر ان کو نادر احادیث سناتے تھے۔

(۳) دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے

عالم اور معلم کو چاہئے کہ دنیا سے زیادہ تعلق خاطر نہ رکھے، اور اسے دنیا سے رغبت کم سے کم ہو مگر اتنا بھی بے رغبت نہ ہو کہ خود اس کے لئے اور اس کے اہل وعیال کے لئے مضرت کا باعث بن جائے۔ کیوں کہ اعتدال پر رہتے ہوئے قناعت اختیار کرنا دنیاداری میں شامل نہیں ہے۔ ایک عالم کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے تعلق اور اس

سے رغبت رکھنے کو برا خیال کرے۔ اس لیے کہ وہ عام لوگوں کی نسبت دنیا کی خست، حقارت اور اس کے پُرفتن اور زوال پذیر ہونے کو زیادہ جانتا ہے لہٰذا وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ دنیا کی طرف زیادہ ملتفت اور متوجہ نہ ہو اور اس کے بکھیڑوں میں نہ پڑے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وصیت کی جائے کہ یہ مال اس شخص کو دیا جائے جو لوگوں میں سب سے عقلمند ہو تو اس کی وصیت کا محمل زاہد لوگ ہوں گے" بھلا علماء سے زیادہ کون عقل مند اور دانا ہو سکتا ہے؟

حضرت یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا سونے کا ناپائیدار ڈلا اور آخرت مٹی کا پائیدار ٹھیکرا ہوتا تو عقلمند آدمی کے مناسب یہ تھا کہ وہ پائیدار مٹی کے ٹھیکرے کو سونے کے ناپائیدار ڈلے پر ترجیح دیتا لیکن جب دنیا مٹی کا ناپائیدار ٹھیکرا اور آخرت سونے کا پائیدار ڈلا ہو تو پھر تو آخرت کو ہی دنیا پر ترجیح دینا عقلمندی اور دانشمندی کہلائے گا۔"

(۴) اپنے علم کو دنیاوی اغراض کے حصول کا ذریعہ نہ بنائے

نیز معلم کے آداب میں یہ امر شامل ہے کہ وہ دنیا کی اغراض سے دور رہے۔ جیسے مال و جاہ کی محبت، ریاکاری، شہرت پسندی، خدمت پسندی اور اپنے ہمعصر لوگوں پر تقدم اور برتری حاصل کرنا وغیرہ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "میری خواہش ہے کہ لوگ مجھ سے اس شرط پر علم حاصل کریں کہ وہ میری طرف اس علم کا ایک حرف بھی منسوب نہیں کریں گے۔"

اس طرح معلم کو چاہئے کہ اپنے طلباء سے مال یا خدمت وغیرہ کی طمع نہ رکھے۔

تھا، لیکن جب میں نے ابو جعفر سے (پیسوں کی بھری) تھیلی قبول کی تو وہ دولت مجھ سے سلب کر لی گئی، پھر میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتا رہا۔"

(۵) تہمت کے مواقع اور حقیر پیشہ اختیار کرنے سے اجتناب کرے

عالم کو چاہئے کہ جو پیشے طبعًا یا عادۃً یا شرعًا رذیل اور ناپسندیدہ شمار ہوتے ہیں ان سے پرہیز کرے جیسے حجامت، دباغت وغیرہ کا پیشہ ہے، اسی طرح تہمت کے موقعوں سے بھی بچنا چاہئے ایسا کوئی کام نہ کرے جس کی وجہ سے اس پر کوئی الزام لگنے کا اندیشہ ہو یا وہ کام بظاہر معیوب اور مکروہ ہو اس کے ارتکاب سے بھی بچے اگرچہ فی الحقیقت وہ کام جائز اور درست ہو۔ اس لیے کہ ایسے کام کے کرنے سے اس کی عزت پامال ہو سکتی ہے اور لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے اور اگر کسی ضرورت کی بناء پر ایسا کام صادر ہو جائے تو دیکھنے والوں کو اسکی حقیقت اور اصل مقصود سے آگاہ کر دے اور اپنا عذر بتا دے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ ایک دن اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے تو دو آدمی وہاں سے گزرے اور آنحضور ﷺ کو دیکھ کر بھاگ نکلے، آپ ﷺ نے فوراً ان سے فرمایا کہ سنو! ذرا رکو! یہ عورت صفیہ ہیں، پھر فرمایا کہ شیطان، انسان کے اندر اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون انسانی جسم میں گردش کرتا ہے، اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی شک وشبہ نہ گزرے یا فرمایا کہ کہیں تم دونوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (اخرجہ البخاری ۲۰۳۵، ومسلم ۲۱۷۵)

(۶) اسلامی شعائر اور احکام کی پابندی کرے

معلم اور عالم کو چاہئے کہ اسلامی شعائر واحکام کو بجالاتا رہے، جیسے مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام، ہر عام وخاص کو سلام کرنا، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا، دعوت وتبلیغ کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں ان پر صبر کرنا، سلطان کے سامنے کلمہ حق کو بلند کرنا، اللہ تعالیٰ

کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنا، اس سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ذی شان کو مدنظر رکھے:

﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾

(لقمان: ۱۶)

''یعنی جو مصائب آئیں ان پر صبر کرو، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

رسول کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے تکالیف وآلام پر جس صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اس کو پیش نظر رکھے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی سنتوں کا احیاء اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کرے، دین کے کاموں کو اللہ کی خوشنودی کے لئے بجالائے، اور جن کاموں میں عام مسلمانوں کی مصلحت اور بہتری پوشیدہ ہو تو اسے بھی مشروع طریقہ سے سرانجام دینے کی کوشش کرے۔

نیز عالم کو چاہئے کہ وہ مباحات کی بجائے مستحبات پر عمل پیرا ہو، کیوں کہ علماء لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں، عام لوگ دین کے احکام میں ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس طرح وہ عوام الناس کے مقتداء اور پیشوا ہوتے ہیں، عوام پر خدا تعالیٰ کی حجت اور دلیل ہیں۔ اس لیے علماء کو احتیاط سے رہنا چاہئے کہ بسا اوقات ایسے لوگ بھی ان کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں جن کو وہ علماء خود نہیں جانتے۔ جب ایک عالم اپنے علم سے خود مستفید نہیں ہوتا تو دوسرا بطریق اولیٰ اس سے مستفید نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علم وہ نہیں ہے جو محفوظ کرلیا جائے بلکہ علم وہ ہے جو آگے دوسرے کو نفع بھی دے۔''

یہی وجہ ہے کہ عالم کی لغزش کو سنگین قرار دیا گیا ہے، کیونکہ سب لوگ اس کی اقتداء اور پیروی میں لگے ہوتے ہیں، جب وہ ٹھوکر کھائے گا تو اس کے عام مقتدی اور پیروکار بھی مفاسد میں مبتلا ہوں گے۔

(۷) مستحب اعمال کی بھی پابندی کرے

ایک عالم کو چاہئے کہ قولی اور فعلی مندوبات کی پابندی بھی کرے، جیسے تلاوتِ قرآن پاک، اللہ تعالیٰ کا ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی اور دن رات کی مسنون دعائیں اور اذکار اور نفلی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج بیت اللہ، حضور اقدس ﷺ پر درود شریف بھیجنا۔ اس لیے کہ آنحضور ﷺ سے محبت اور ان کی دل میں عظمت رکھنا واجب اور ضروری ہے، اور آپ ﷺ کے نامِ گرامی کے ذکر کے وقت آداب کا لحاظ و پاس رکھنا مطلوب اور مسنون ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کا ذکرِ مبارک آتا تو امام مالکؒ کا رنگ بدل جاتا اور آگے کی طرف جھک جاتے''۔ حضرت جعفر بن محمدؒ کا بھی یہی حال تھا کہ ذکرِ حبیب ﷺ کے وقت ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔

امام ابن القاسمؒ کے سامنے ذکرِ نبی ﷺ آتا تو حضور ﷺ کے رعب و جلال کی وجہ سے ان کی زبان خشک ہو جاتی تھی۔ عالم کو چاہئے کہ وہ تلاوتِ کلام پاک کے دوران اس کے معانی، اوامر و نواہی وعدہ وعید وغیرہ میں غور و تدبر بھی کرے۔ نیز حفظِ قرآن کے بعد قرآن کو بھلا دینے سے بچے، کیوں کہ احادیثِ مبارکہ میں اس پر بہت زیادہ وعیدیں آئی ہیں۔

اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو یاد رکھنے کے لئے یومیہ مقدار مقرر کر لے جس کی پھر خوب پابندی کرے، ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن پاک مکمل پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے، اس کو حدیث میں بھی اچھا وظیفہ قرار دیا گیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی اس پر عمل تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ''جو شخص ایک ہفتہ میں قرآن پاک مکمل پڑھ لیا کرے وہ کبھی قرآن نہیں بھولتا۔''

(۸) لوگوں کے ساتھ اخلاقِ کریمانہ سے پیش آئے

ایک عالم کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ اخلاقِ حسنہ سے پیش آئے جیسے، خندہ پیشانی سے ملنا، سلام کو رواج دینا، کھانا کھلانا، غصہ پر ضبط و کنٹرول کرنا، لوگوں کو تکالیف نہ پہنچانا، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنا، دوسروں کو فوقیت دینا، خود فوقیت نہ چاہنا، دوسروں کے ساتھ انصاف کرنا، اپنے لیے انصاف کا طلبگار نہ ہونا، کسی کے احسان کا شکرگزار ہونا اور ان کو راحت پہنچانا اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، اور اس کے لیے اپنے منصب کو استعمال کرنا، ناداروں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی نگاہ میں محبوب بننا، اپنے طلباء کے ساتھ رفق و نرمی برتنا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی مدد کرنا وغیرہ، جب کسی کو دیکھے کہ نماز کی پابندی نہیں کرتا یا کسی واجب امر کا اہتمام اور خیال نہیں کرتا تو اس کو نرمی اور لطف و مہربانی سے سمجھائے، جیسے آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی آدمی کے ساتھ سلوک کیا جس نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا تھا یا جب معاویہ بن الحکم نے نماز کے اندر کلام کیا تھا، آپ ﷺ نے اس کو کتنے اچھے انداز میں سمجھایا تھا۔

(۹) اخلاقِ رذیلہ سے پاکی حاصل کرے

ایک عالم کو چاہئے کہ وہ اخلاقِ رذیلہ سے پاکی حاصل کرے اور اخلاقِ فاضلہ سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کرے۔ چند ایک اخلاقِ رذیلہ یہ ہیں: کینہ، حسد، ظلم، غصہ جو غیر اللہ کے لیے ہو، ملاوٹ کرنا، تکبر، خود پسندی، شہرت پسندی، بخل، خباثت، اترانا، لالچ، فخر و ریاکاری، دنیا کی رغبت اور اس کی چیزوں سے فخر و مباہات، مداہنت، لوگوں کے لئے آراستہ ہونا، ناکردہ کام پر ستائش کا خواہش مند ہونا، نفس کے عیوب سے چشم پوشی کرنا اور دوسروں کے عیوب کو تلاش کرنا، غیر اللہ کے لئے حمیت و

غیرت دکھانا، غیر اللہ کے لئے رغبت یا رہبت کرنا، غیبت کرنا، چغلخوری کرنا، جھوٹ بولنا، بے حیائی کی باتیں کرنا اور لوگوں کو اپنی نظر میں حقیر جاننا، اگر چہ وہ اس سے کم درجہ ہوں۔

ایسے بُرے اخلاق سے کلی طور پر بچنا چاہئے، کیوں کہ یہ ہر برائی کا باب ہیں بلکہ یہ خود برائی ہیں۔ اس دور میں بہت سے علماء ان اخلاقِ رذیلہ میں مبتلا ہیں خاص طور سے حسد، ریا کاری، خود پسندی اور دوسروں کو حقیر جاننے کی برائی بہت سوں میں پائی جاتی ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ ان امراض کا علاج اصلاحی کتب میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے، جو شخص اپنی اصلاح کا طالب ہو اس کو چاہئے کہ ایسی کتب کا مطالعہ کرے، امام محاسبی رحمہ اللہ کی کتاب "الرعایہ" اس موضوع کی مفید ترین کتاب ہے۔ حسد کا ایک علاج یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حاسد یہ سوچے کہ میرا یہ حسد کرنا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اس حکمت پر اعتراض ہے جو محسود کو نعمت سے بہرہ یاب کرنے کی متقاضی ہے۔ علاوہ ازیں حاسد اس حسد کی وجہ سے خواہ مخواہ کی مشقت اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے جس سے محسود کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

خود پسندی کا ایک علاج یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اس کا علم، فہم، ذہانت وفطانت اور فصاحت سب وہ نعمتیں ہیں جو اس کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوئی ہیں اور اس کے پاس خدا کی امانت ہیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان نعمتوں کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں؟ نیز اس بات میں غور کرے کہ جس ذات نے یہ نعمتیں اس کو عطا کی ہیں وہ ان نعمتوں کو سلب کرنے پر بھی قادر ہے، جیسے بلعام بن باعوراء کا علم ایک لمحہ میں سلب کر لیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ﴾ (الاعراف: ۹۸)

"یعنی کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں۔"

ریا کاری کا ایک علاج یہ ہے کہ اس امر میں غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ کے بغیر ساری مخلوق اس کو نفع پہنچانا چاہے تو نفع نہیں پہنچا سکتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ

کے حکم کے بغیر اس کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا، لہٰذا جو شخص فی الحقیقت نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے اس کی خاطر اپنا عمل ضائع نہ کرے اور اپنے دین کا نقصان نہ کرے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور باطنی قباحتوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ پاک میں ہے:

''جو شخص شہرت پسندی کے لئے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب کی شہرت کریں گے اور جو دکھاوا کرے گا اللہ بھی اس کے عیوب لوگوں کو دکھائیں گے۔'' (اخرجہ البخاری ۶۴۹۹، ومسلم: ۲۹۸۷)

لوگوں کو حقیر جاننے کا ایک علاج یہ ہے کہ ان فرامین باری تعالیٰ میں غور وفکر کرے:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾

(الحجرات: ۱۱)

''کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ وہ قوم اس سے زیادہ بہتر ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور آپس کے تعارف کے لئے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والے پوری خبر رکھنے والے ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم: ۳۱)

"اپنے آپ کو پاک صاف نہ کہا کرو، وہی جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے۔"

جس کو حقیر خیال کیا جاتا ہے وہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ پاکیزہ دل اور اپنے عمل اور نیت میں زیادہ مخلص ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا رکھا ہے۔ اپنے ولی کو اپنے بندوں میں، اپنی رضاء کو اپنی طاعات میں اور اپنے غضب کو اپنی نافرمانیوں میں۔"

اخلاقِ فاضلہ یہ ہیں: توبہ پر مداومت، اخلاص، یقین، تقویٰ، صبر، رضاء، قناعت، زہد، اللہ پر توکل و بھروسہ، باطن کی سلامتی، حسنِ ظن، درگزر کرنا، خوش خلقی، احسان مندی، شکرانِ نعمت، مخلوقِ خدا پر شفقت، اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے حیاو شرم کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محاسن کی جامع ہے اور یہ محبت، اتباع رسول ﷺ سے پیدا ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۰)

"آپ فرمادیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنادیں گے اور تمہارے گناہ معاف کردیں گے۔"

(۱۰) عبادت اور علم کے حصول پر خوب توجہ دے

عالم کو چاہئے کہ اوراد و وظائف اور دیگر عبادات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے

اور ان کی خوب پابندی کرے اور علم کے حصول میں ہر طرح مشغول رہے، خواہ پڑھنے کے ذریعہ ہو یا پڑھانے کے طور پر ہو، کتب کا مطالعہ ہو یا ان میں فکر و تدبر ہو یا ان کو یاد کرنا ہو یا ان کتب پر تعلیق وحواشی رقم کرنا ہو یا بحث وتصنیف ہو۔ ہمہ وقت علم کے ساتھ وابستہ رہے۔ اپنی عمر کے قیمتی لمحات کو ذرا بھی ضائع نہ کرے، غیر مقصود امور میں مبتلا نہ ہو مگر بقدر ضرورت، جیسے کھانا پینا، سونا یا اکتاہٹ دور کرنے کے لئے آرام کرنا، یا بیوی کا حق ادا کرنا یا مہمان کا حق ادا کرنا یا خوراک کا حصول وغیرہ جن کی عام طور پر ضرورت پڑتی ہے یا کسی درد و تکلیف سے دوچار ہونا، جس سے علمی کام جاری رکھنا مشکل ہوتا ہو، مسلمان کی عمر ایسی ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ جس کے دو دن (عمل کے اعتبار سے) برابر ہوئے وہ خسارہ اٹھانے والا ہے۔ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو معمولی قسم کی بیماری یا تکلیف کی وجہ سے اپنے مشاغل ترک نہیں کرتے تھے بلکہ علم کے ذریعہ شفاء و سکون حاصل کرتے تھے اور حتی الامکان علم میں مشغول رہتے تھے۔ جیسے کسی نے کہا ہے:

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم   و نترک الذکر احلالاً فننتکس

یعنی جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو تمہاری یاد سے علاج کرتے ہیں اور جب یاد کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ نیز اس لیے کہ علم کا درجہ حقیقت میں انبیاء کی وراثت والا درجہ و مقام ہے اور بلندیاں جان کو مشقت میں ڈالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

"صحیح مسلم" میں یحیی بن ابی کثیرؒ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بدنی راحت و آسائش سے علم کا حصول ممکن نہیں ہے" (اخرجہ مسلم ۶۱۲)

نیز ایک حدیث میں فرمایا کہ

"جنت، مشقتوں سے گھیری گئی ہے۔"

(اخرجہ البخاری ۶۴۸۷، ومسلم ۲۸۲۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طالب علموں پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم کو بڑھانے کی

مقدور بھر کوشش کریں، اور دورانِ طالب علمی کوئی عارض یا رکاوٹ پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور اپنے علم کے حصول میں نیت خالص کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہی علم حاصل کرتا ہوں اور اس پر امداد حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت و التجاء کرتا رہے"۔

امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو تصنیفی مشغولیت کی بناء پر نہ دن کو کھاتے ہوئے دیکھا اور نہ رات کو سوتے ہوئے دیکھا"۔ ان تمام باتوں پر ضرور عمل کرے لیکن طاقت اور ہمت سے زیادہ کام نہ کرنے لگے کہ اس سے اکتاہٹ اور ملول خاطر ہوگا بلکہ بسا اوقات دل ایسا اچاٹ ہو جاتا ہے کہ اس کا تدارک (تلافی) ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، ہر انسان اپنے بارہ خوب بصیرت رکھتا ہے۔

(۱۱) اپنے سے کم درجہ شخص سے استفادہ کرنے میں عار نہ کرے

جو شخص منصب یا نسب یا عمر کے اعتبار سے کم حیثیت رکھتا ہو اس سے استفادہ کرنے میں عار یا شرم نہ کرے، بلکہ جہاں سے فائدہ کی بات ملتی ہو حاصل کرے، حکمت و دانائی، مومن کی گم کشتہ میراث ہے، اس لیے جہاں سے بھی دستیاب ہو وصول کرے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک سیکھتا رہے جب علم حاصل کرنا چھوڑ دے اور یہ سمجھے کہ اب وہ مستغنی ہو گیا ہے اور جس قدر علم اس کے پاس ہے وہ کافی ہے تو وہ جاہل ہے"۔ اسلاف کی ایک جماعت کا حال یہ تھا کہ جب انہیں کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو وہ اپنے طلباء سے استفادہ کرتے تھے۔

امام شافعیؒ کے شاگرد رشید امام حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے مصر تک اپنے استاذ امام شافعیؒ کے ساتھ رہا، اس دوران میں ان سے مسائل کا استفادہ کرتا تھا اور وہ مجھ سے احادیث کا استفادہ کرتے تھے۔"

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ "امام شافعیؒ نے ہم سے فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ حدیث جانتے ہو اس لیے جب کوئی حدیث تمہارے نزدیک صحیح درجہ کی ہو تو ہمیں بتا دینا تا کہ ہم اس پر عمل کریں۔"

ان سب باتوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابی بن کعبؓ کے سامنے قرآن پڑھنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں تیرے سامنے سورۃ البینہ پڑھوں"

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ فاضل کو مفضول سے استفادہ کرنے میں ہچکچانا نہیں چاہئے۔ (الرعد الترمذی ۳۷۹۳)

(۱۲) تصنیفی اور تالیفی کام میں برابر مشغول رہے

اگر عالم تصنیفی کام کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہو تو اسے تالیف و تصنیف اور جمع و ترتیب کا کام ضرور کرتے رہنا چاہئے کیونکہ جب کتب کا مطالعہ کرے گا بحث و تفتیش کرے گا اور مراجعت و مصادرت کرے گا تو بہت سے علوم و فنون کے حقائق اور دقائق اس پر کھلیں گے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصنیفی کام سے حافظہ مضبوط، دل بیدار، ذہن تیز اور گفتار عمدہ ہو جاتی ہے، اور لوگوں میں نیک نامی اور اجرِ عظیم ملتا ہے، نیز تصنیفی کام سے مصنف ایک عرصہ تک زندۂ جاوید رہتا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس کا نفع عام و تام ہو اور جس کی ضرورت زیادہ ہو، اور جو کام پہلے نہ ہوا ہو اس کو ترجیح دے، نیز تحریر بالکل صاف اور واضح ہو، بات کو خواہ مخواہ اتنا طول بھی نہ دے جس سے طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو اور نہ اتنی مختصر کرے کہ اصل مقصود سمجھنے میں خلل واقع ہو، اس کے علاوہ ہر تصنیف میں اس کے لائق اور مناسب امور کا بھی خیال رکھے۔ جب تک نظر ثانی نہ کر لے، اور کلام کی ترتیب و تہذیب نہ کر لے مطمئن ہو کر نہ بیٹھے۔ آج کل کچھ ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو تصنیفی اور تالیفی کام کو ناپسند سمجھ کر

باصلاحیت لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں، حالانکہ اس ناپسندیدگی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، ایسے لوگ صرف اپنے ہمعصر لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہوتے ہیں، کیوں کہ جو شخص اپنی دوات اور قلم کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی اشعار اور جائز قسم کی حکایات سپردِ قلم کرتا ہے اس کو وہ نہیں روکتے اور اس کو ناپسند نہیں سمجھتے پھر جو شخص علوم شرعی کو تحریر میں لاتا ہے جس سے عام لوگوں کو نفع بھی پہنچتا ہے تو اس کو ناپسند اور معیوب سمجھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

ہاں البتہ جو شخص تصنیفی کام کا اہل نہ ہو اس کو روکنا ضروری ہے کیوں کہ ایسا شخص جہالت کے سوا کچھ نہیں لکھے گا اور ایسے کام میں اپنا وقت ضائع اور برباد کرے گا جس کام میں اس کو رسوخ حاصل نہیں ہے، حالانکہ تصنیفی کام کے لئے مکمل طور راسخ اور پختہ کار ہونا ضروری ہے۔

فصل دوئم

﴿معلم کو اپنے درس میں کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے؟﴾

اس میں بھی بارہ انواع ہیں:

(۱) درس گاہ میں جانے سے پہلے طہارت حاصل کرے اور دو رکعت نماز استخارہ پڑھے

معلم اور عالم کو چاہئے کہ مسند تدریس پر بیٹھنے سے قبل ہر طرح کی پاکی حاصل کرے، اور علم دین کی تعظیم اور احترام کی نیت سے شایانِ شان عمدہ لباس زیبِ تن کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس جب لوگ حدیث سیکھنے کے لئے آتے تھے تو امام